

اقبال، جناح اور پاکستان

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

ڈاکٹر صفدر محمود سیاسیات اور تاریخ کے معلم رہے ہیں۔ سیاست اور تاریخ کا آپس میں گہرا تعلق ہے، چنانچہ ہماری سیاسی اور ملتی تاریخ کے دو بڑے کرداروں (اقبال اور جناح) اور ایک بڑے محور (پاکستان) سے ان کی دل چسپی فطری ہے۔ اگر معلم صاحب نظر ہو اور قلم و قسطاس سے بھی علاقہ رکھتا ہو، تو وہ معلم کی ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد بھی، اپنے خیالات کے اظہار سے کبھی سبک دوش نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر صفدر محمود صاحب گذشتہ ڈیڑھ دو عشروں سے ہزاروں قارئین کو قومی، ملتی، علمی، تہذیبی اور تعلیمی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق اپنے خیالات سے مستفید کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے سیکڑوں ہی کالم لکھے ہوں گے۔

ڈاکٹر موصوف کے نسبتاً مفصل مضامین کا مجموعہ اقبال، جناح اور پاکستان کے عنوان سے چند برس پہلے شائع ہوا تھا، جس کا مطالعہ پیش نظر ہے۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی شخصیت بلاشبہ بہت دل کش تھی۔ انھوں نے پاکستان کا مقدمہ جس قانونی اور سیاسی مہارت سے لڑا اور برعظیم کی ملت اسلامیہ کی ذلتی ہوئی کشتی کو کھینچ کر سلامتی سے ساحل پر لے آئے، اس نے انھیں لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کا محبوب لیڈر بنا دیا۔ قائد اعظم، ڈاکٹر صفدر محمود کے بھی محبوب لیڈر ہیں۔ جب انسان کسی شخصیت کا گرویدہ ہو تو وہ کوئی نہ کوئی 'اتفاق' یا 'مناسبت' تلاش کر لیتا ہے۔ جس کی بظاہر تو کوئی اہمیت نہیں ہوتی مگر وہ اسے اپنی عقیدت اور گرویدگی کو مستحکم کرنے کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ دیکھیے، صفدر محمود نے ایک 'اتفاق' اور 'مناسبت' تلاش کی ہے۔ لکھتے ہیں: "یہ ایک دل چسپ اتفاق ہے کہ قائد اعظم کی واحد اولاد، یعنی ان کی بیٹی دینا جناح نے ۱۳/۱۵ اگست ۱۹۱۹ء کی

درمیانی شب کو جنم لیا۔ ان کی دوسری اولاد اس کے صحیح ۲۸ برس بعد ۱۴/۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب کو معرض وجود میں آئی اور اس کا نام 'پاکستان' رکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قائد اعظم اپنی اولاد کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ (ص ۳۰)

قائد اعظم مغربی تعلیمی اداروں کے تعلیم یافتہ تھے اور اپنی ظاہری وضع قطع، رہن سہن اور لباس و اطوار سے وہ ایک جدید اور تہذیب مغرب میں ڈھلے ہوئے ماڈرن قسم کے شخص معلوم ہوتے تھے۔ صفدر محمود صاحب نے ان کے کچھ ایسے پہلو دکھائے ہیں جن سے وہ پکے پیڈے، اوّل و آخر اور مذہبی فرقوں سے ماوراء خالص مسلمان نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ محمد علی جناح نے اپنا نکاح ایک سنی عالم مولانا ندیر احمد صدیقی سے پڑھوایا (جو مولانا شاہ احمد نورانی کے سگے تایا تھے)۔ یہ معلوم ہے کہ قائد اعظم کا خاندانی تعلق اشاعشری فرقے سے تھا مگر ان کے نزدیک فرقوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ زیر نظر کتاب میں بتایا گیا ہے کہ ایک بار کسی نے قائد اعظم سے پوچھا: آپ کا تعلق کس فرقے سے ہے؟ قائد اعظم نے جواباً سائل سے پوچھا: آں حضور نبی کریم کا مذہب کیا تھا؟ ظاہر ہے قائد اعظم کا جواب بہت معنی خیز اور بلیغ تھا۔ ڈاکٹر صفدر محمود نے بجا طور پر قائد اعظم کو ایک سچا، کھرا اور باوقار انسان قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قائد اعظم کے ہاں راست گوئی اور عظمت کردار سیرت النبی کے گہرے مطالعے کا اعجاز تھی۔ وہ کہتے ہیں: قائد اعظم کی تقریریں پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے محبت، اسلام کی بقا اور عظمت، اسوۂ حسنہ، اپنے ضمیر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی جیسے احساسات و تصورات، اُن کے خون میں شامل تھے۔ ڈاکٹر موصوف، قائد اعظم کی ۱۹۳۹ء کی ایک تقریر کے حوالے سے کہتے ہیں کہ انھیں برعظیم کے مسلمانوں کے مسئلہ راہنما کا مقام اور مرتبہ اس وجہ سے ملا کہ وہ خدا کے حضور سرخرو ہونے اور کفر کی طاقتوں کے غلبے میں اسلام کو سر بلند رکھتے ہوئے مرنے کی آرزو اور رضائے الہی کی تمنا رکھتے تھے (ص ۳۶)۔ وہ سرتاپا سچے مسلمان اور پکے مومن تھے۔ صفدر محمود صاحب مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک خواب کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ خواب سچا ہے۔“ وہ خواب کیا تھا؟ لکھتے ہیں:

مولانا اشرف علی تھانوی نہ صرف عالم و فاضل شخصیت اور مفسر قرآن تھے بلکہ ایک بلند

روحانی مرتبہ بھی رکھتے تھے اور ان کے لاکھوں معتقدین ہندو پاکستان میں بکھرے ہوئے ہیں۔ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی کے مصنف منشی عبدالرحمن نے [قائد اعظم کا مذہب و عقیدہ کے] ص ۱۱۱ پر لکھا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کے خواہر زادے مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت تھانوی نے مجھے بلایا اور فرمایا: ”میں خواب بہت کم دیکھتا ہوں مگر آج میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ ایک بہت بڑا مجمع ہے گویا کہ میدان حشر معلوم ہو رہا ہے۔ اس مجمع میں اولیا، علما اور صلحا کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور مسٹر محمد علی جناح بھی عربی لباس پہنے ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ میرے دل میں خیال گزرا: یہ اس مجمعے میں کیسے شامل ہو گئے؟ تو مجھ سے کہا گیا کہ محمد علی جناح آج کل اسلام کی بڑی خدمت کر رہے ہیں، اسی واسطے ان کو یہ درجہ دیا گیا ہے۔“ یقیناً اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا اتنا سادہ و ضرور ہوگا۔ انھی مولانا اشرف علی تھانوی نے ۴ جولائی ۱۹۴۳ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو طلب کیا اور فرمایا: ”۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کو کامیابی نصیب ہوگی۔ میرا وقت آخری ہے۔ میں زندہ رہتا تو ضرور کام کرتا۔ مشیت ایزدی یہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن قائم ہو۔ قیام پاکستان کے لیے جو کچھ ہو سکے، کرنا اور اپنے مریدوں کو بھی کام کرنے پر ابھارنا۔ تم دونوں عثمانیوں میں سے ایک میرا جنازہ پڑھائے گا اور دوسرا عثمانی جناح صاحب کا جنازہ پڑھائے گا۔“

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قیام پاکستان سے کئی برس قبل اللہ کو پیارے ہو گئے لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ پاکستان قائم ہوا، مولانا ظفر عثمانی نے تھانوی صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی اور سو پانچ سال قبل کی گئی پیشین گوئی کے مطابق قائد اعظمؒ کی نماز جنازہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی۔ (ص ۳۵-۳۶)

ان دنوں ڈاکٹر صفدر محمود ایک کثیر الاشاعت اخبار میں کالم لکھتے ہیں۔ اسی اخبار کے کچھ بزمِ خویش دانش ور کالم نویس وقتاً فوقتاً ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں کہ قائد اعظم ایک سیکولر شخص تھے اور وہ پاکستان کو بھی سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے۔ انھوں نے اس موضوع پر بھی بحث کی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ قائد اعظم نے اپنی تقریروں یا تحریروں میں کبھی لفظ ’سیکولرزم‘ استعمال نہیں کیا۔ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر (جس کا سیکولر سٹ دانش ور سہارا لیتے ہیں) فی البدیہہ تھی اور خود قائد نے کہا تھا کہ یہ کوئی سوچا سمجھا بیان نہیں ہے۔

جب انھوں نے یہ کہا کہ آپ آزاد ہیں، مندر میں پوجا کریں، یا مسجد میں عبادت کریں۔ آپ کا کس مذہب، ذات یا عقیدے سے تعلق ہے، اس سے حکومت کو سروکار نہیں (ص ۴۲)، تو اس کے یہ معنی نہیں کہ پاکستان سے اسلام کو بے دخل کر دیا جائے گا بلکہ مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ بطور شہری، مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صفدر محمود کہتے ہیں کہ قائد اعظم کو اسلام سے گہرا لگاؤ تھا۔ اسلام ان کے یقین اور باطن کا حصہ تھا۔ انھوں نے قرآن اور سیرت کا گہرا مطالعہ کر رکھا تھا۔ اس ضمن میں انھوں نے قائد اعظم کی تقریروں کے کچھ حوالے بھی دیے ہیں، مثلاً:

۱۔ ”اسلام پاکستان کے قانون کی بنیاد ہوگا اور پاکستان میں کوئی قانون اسلام کے خلاف نہیں ہوگا۔“ (پشاور، نومبر ۱۹۴۵ء)

۲۔ ”میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے دیا ہے۔“ (سسی، بلوچستان، ۱۴ فروری ۱۹۴۷ء)

۳۔ ”میرا آپ تمام لوگوں سے یہی مطالبہ ہے کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔“ (لاہور، ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

۴۔ ”میں ان لوگوں کے عزائم کو نہیں سمجھ سکا جو جان بوجھ کر شرارت کر رہے ہیں اور یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ پاکستان کے آئین کی بنیاد شریعت پر نہیں ہوگی۔ ہماری زندگی پر آج بھی اسلامی اصولوں کا اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح ۱۳۰۰ سال پہلے ہوتا تھا۔“ (کراچی، ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء)

اس طویل مضمون کے آخر میں ڈاکٹر صفدر محمود نے قارئین سے سوال کیا ہے: ”اب آپ خود فیصلہ کر لیجیے کہ کیا قائد اعظم ذہنی طور پر سیکولر تھے اور کیا وہ پاکستان کے لیے کسی سیکولر نظام کا خواب دیکھتے تھے؟“

زیر نظر کتاب میں مصنف نے تصویر پاکستان کے مختلف پہلوؤں، تعبیرات اور تحریک پاکستان کے مختلف عنوانات (تقسیم ہند کی تجویز، خطبہ الہ آباد، قرارداد لاہور، کابینہ مشن پلان) پر بھی بحث کی ہے۔ ان سب مباحث میں قائد اعظم کی ذات، ان کی شخصیت اور ان کے بیانات و تقاریر کا حوالہ بار بار آیا ہے۔ آٹھویں مضمون بہ عنوان: ”قائد اعظم سے منسوب غلط بیانات و احکامات“ میں بعض بے بنیاد اور مشکوک روایات کو دلائل کے ساتھ رد کیا ہے، مثلاً قائد اعظم سے ایک جملہ منسوب ہے: ”پاکستان میں نے اور میرے ٹائپ رائٹر نے بنایا“۔ ڈاکٹر صفدر محمود لکھتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل ہے، نہ کوئی حوالہ۔ ڈاکٹر مبارک علی نے ۲۵ دسمبر ۲۰۰۱ء کو روزنامہ ڈان میں اپنے ایک مضمون میں قائد اعظم سے یہ جملہ منسوب کیا تھا: He said that he and his typewriter made Pakistan۔ ڈاکٹر صفدر محمود کہتے ہیں کہ جب میں نے سوال کیا کہ حوالہ کیا ہے؟ تو جواب میں ڈاکٹر مبارک علی نے اعتراف کیا کہ اس جملے کی صحت کے لیے ان کے پاس کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے، البتہ میں نے یہ بات مسلم لیگی لیڈر احمد سعید کرمانی سے سنی تھی۔ صفدر محمود صاحب کرمانی صاحب کے پاس پہنچے تو کرمانی نے مکمل نفی میں جواب دیا۔ وہ کہتے ہیں: میں نے اپنی گفتگو لکھ کر ڈاکٹر مبارک علی کو بھیجی مگر انھوں نے چپ سادھ لی۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ڈاکٹر مبارک علی جیسے غالی اشتراکی کو ایسی ہی حرکت زیا ہے۔ اس سے پہلے وہ اصلاح احوال کے لیے سرسید احمد خاں، شبلی اور اقبال جیسے اکابر کی کاوشوں کو رد کر چکے ہیں۔ ان کے خیال میں سرسید احمد خاں جاگیردارانہ ذہن رکھتے تھے اور ان کی تمام تر کاوشوں کا مقصود مسلم عوام کی بھلائی نہیں، بلکہ امراء، زمین داروں اور جاگیرداروں کے مفادات کا تحفظ تھا۔ انھیں تو یہ بات بھی کھٹکتی اور بُری لگتی ہے کہ شبلی نے الفاروق، النعمان اور المامون لکھ کر مسلمانوں کو ان کے ماضی کی عظمت کا احساس دلا کر اپنی شان دار روایات پر بے جا فخر کرنا سکھایا۔ اور عبدالحلیم شرر نے تاریخی ناول لکھ کر ان میں مسلمانوں کی عظمت اور برتری کو پیش کیا۔ وہ مسلم فتوحات کو بھی ’سامراجیت‘ کے ذیل میں شمار کرتے ہیں۔

علامہ اقبال کی شاعری، ڈاکٹر مبارک علی کے نزدیک ’مغرب کے خلاف نفرت کے جذبات‘ پیدا کرتی ہے۔ اقبال جمہور دشمن تھے، معاشرے میں عورت کے صحیح مقام کا تعین نہیں کر سکے اور

معاشرے کو کوئی مثبت پیغام دینے میں ناکام رہے۔ بحیثیت مجموعی ان کے افکار اور شاعری معاشرے کی ترقی اور شعور بیدار کرنے میں قطعی ناکام رہی ہے۔ (ملاحظہ ہو: ڈاکٹر مبارک علی کا کتابچہ سرسید اور اقبال: آگہی پہلی کیشنز، حیدر آباد، سندھ ۱۹۸۴ء)

وہ سندھ یونیورسٹی میں تاریخ کے استاد تھے مگر وہاں ان کی دال نہیں گئی۔ لاہور کے بائیں بازو والوں نے انھیں خوش آمدید کہا۔ درحقیقت مبارک علی کا شمار قائد اعظم کے بقول 'جان بوجھ کر شرارت' کرنے اور یہ پروپیگنڈا کرنے والوں میں ہونا چاہیے جو یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کے آئین کی بنیاد شریعت پر نہیں ہوگی (ص ۴۷)۔ صدر محمود صاحب نے مبارک علی کے اس جھوٹ کی بھی تردید کی ہے کہ قائد اعظم کہتے تھے کہ میں پاکستان کا واحد خالق (sole creator) ہوں۔

اسی مضمون میں صدر محمود صاحب نے قائد اعظم سے منسوب اس فقرے ”میری جیب میں کھوٹے سکے ڈال دیے گئے ہیں“ پر بھی بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ قائد اعظم نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا جملے کے راوی میاں عبدالعزیز مالواڑہ ہیں، اور ان کا بیان قلم بند کرنے والے سابق سیکرٹری مالیات حکومت پاکستان جناب ممتاز حسن تھے، جو تحریک پاکستان کے پُر جوش مؤید اور محب وطن پاکستانی تھے اور قائد اعظم اور اقبال سے بے پایاں عقیدت رکھتے تھے۔ اس کا حوالہ ہے: نقوش لاہور کا اقبال نمبر، حصہ دوم، ص ۶۲۶، ۱۹۷۷ء۔

پروفیسر محمد منور نے بھی اس فقرے کو صحیح سمجھتے ہوئے اپنے مضامین میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ صدر محمود صاحب غور فرمائیں کہ انھی کھوٹے سکوں کی کثرت کی وجہ سے آج پاکستان اس حال کو پہنچا ہوا ہے، لہذا قائد اعظم نے جب اور جس مناسبت سے بھی کھوٹے سکوں کا ذکر کیا تو کچھ غلط نہیں کیا۔ کتاب کے آخر میں تین ضمیمے شامل ہیں۔

چودھری رحمت علی، تحریک آزادی ہند کے ایک اہم کردار تھے۔ جنوری ۱۹۳۳ء میں انھوں نے Now or Never (اب یا کبھی نہیں) نامی کتابچہ شائع کیا تھا جو ڈاکٹر صدر محمود کے بقول: ”پاکستان کے مقدمے کی ایک مکمل دستاویز“ ہے۔ کتاب کے ضمیمہ نمبر ایک میں انھوں نے چودھری رحمت علی مرحوم کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک نازک اور ایک حد

تک مایوسی کے دور میں، وہ ایک پُر خلوص والہانہ جذبے سے برطانیہ کے مقتدر حلقوں تک پاکستان کا جواز ثابت کرنے اور پیغام پہنچانے میں لگے رہے۔ باسٹنائے اقبال اس وقت تک مسلمانوں نے ایک الگ اور آزاد مسلم ریاست کے بارے میں سوچا نہ تھا۔ ”Now or Never“ ہماری تحریک آزادی میں جلنے والا وہ چراغ ہے جس نے نہ صرف مسلمانوں کی منزل کی نشان دہی کی بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی سوچ کی سمت بھی متعین کر دی۔ اس لحاظ سے ہم بہ حیثیت قوم چودھری رحمت علی کے احسان مند ہیں“ (ص ۱۳۷)۔ آخر میں مصنف اظہارِ افسوس کرتے ہیں کہ چودھری رحمت علی کی جذباتی افتادِ طبع سے معاملہ بگڑ گیا۔ انھیں زمینی حقائق کا احساس نہ ہوا (انھوں نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کے تقسیم ہند منصوبے کو The greatest betrayal (عظیم ترین غداری) قرار دیا۔ انھوں نے قائد اعظم کے خلاف زہر اُگلا۔ کاش تقسیم سے قبل وہ ہندوستان آ کر عملاً تحریک آزادی میں حصہ لیتے۔ تقسیم کے بعد وہ پاکستان آئے تو قدرتی طور پر خفیہ اداروں نے ان کی گمرانی کی، مایوس ہو کر واپس برطانیہ چلے گئے۔

ضمیمہ نمبر ۲ میں قائد اعظم کے اے ڈی ریگڈیئر نور اے حسین کا ایک مضمون نقل کیا ہے جس میں انھوں نے قائد اعظم سے منسوب بعض بے بنیاد باتوں کی تردید کی ہے۔

ڈاکٹر صفدر محمود کے یہ مضامین ان کے برسوں کے غور و فکر اور تحقیق کا ثمر ہیں۔ جیسا کہ انھوں نے دیباچے میں لکھا ہے: ان کے اظہارِ خیال کا انداز و اسلوب غیر روایتی ہے۔ بلاشبہ قاری اس کتاب کے مطالعے سے بہت کچھ حاصل کرتا ہے۔ یہ احساس نہیں ہوتا کہ روپے کے ساتھ، وقت بھی ضائع کیا ہے۔

آخر میں صاحب کتاب سے ایک شکوہ: کتاب کے عنوان میں لفظ ’اقبال‘ سب سے پہلے مگر آزادی یا قیام پاکستان میں ان کے حصے اور خدمات پر کوئی مکمل مضمون کتاب میں شامل نہیں ہے۔ قاری کو تیسرے ضمیمے میں خطبہ الہ آباد پر صرف پروفیسر شریف المجاہد کا مضمون میسر آتا ہے۔ قیام پاکستان کے ضمن میں کیا علامہ اقبال کی خدمات، قائد اعظم سے کم ہیں؟

(اقبال، جناح اور پاکستان، ڈاکٹر صفدر محمود۔ ناشر: سنگ میل پبلی کیشنز، لوئر مال، لاہور)